احسان کا معنی ومفہوم اور اس کے تقاضے قرآن کریم کی روشنی میں

عتیق احمد شفیق اصلاحی

قرآن کریم میں ''احسان'' اور اس سے مرکب الفاظ (محسن، محسنین) متعدد آیات میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ قرآن کی خاص اصطلاحات میں سے ہے۔ اس باب میں اس کا اپنا ایک مخصوص تصور ہے۔ متعلقہ آیات کے حوالے سے اس کی وضاحت اہمیت سے خالی نہ ہوگی۔

احسان مادہ ''حسن'' ہے جس کے معنی اچھائی وخوبصورتی کے ہیں، احسان کے معنی اچھا کام کرنے یا کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقے پر انجام دینے کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ أَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ　　جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی۔

(السجدۃ: ۳۲/۷)

وَصَوَّرَکُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَکُمْ　　اور اسی (اللہ) نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی۔

(المومن: ۴۰/۶۴)

قرآن نے مختلف مقامات پر محسن، محسنون، محسنین جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں ان کے معنی حسبِ موقع احسان کرنے، اچھے کام کرنے یا اچھے کام کو اچھے طریقے سے کرنے والے کے ہوتے ہیں۔

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (آل عمران: ۳/۱۳۴) اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔

احسان قرآن میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ حسن قبح کی ضد ہے۔

احسان کے معنی برائی، غلط و نا جائز کام سے بچنے کے بھی ہیں۔ اس معنی میں احسان ظلم و بدسلوکی کی ضد ہے اس طرح محسن کے معنی صالح، نیکوکار و متقی کے بھی ہوتے ہیں۔

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل:۱۷/۷)	تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لیے بھلائی تھی اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کی برائی ہے۔

کسی کا واجبی حق ادا کردینا یا کوئی زیادتی کرے یا نقصان پہنچائے تو اس کے بدلے میں صرف اس کا اتنا ہی بدلہ لیا جائے تو یہ عدل ہے، جب کہ واجبی حق سے زیادہ دینا، اور زیادتی و نقصان کا بدلہ نہ لینا اور معاف کردینا اور واجبی حق کو چھوڑ دینا یا کم پر قناعت کرلینا احسان ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (حٰم السجدہ:۴۱/۳۴)	نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔
اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (المومنون:۲۳/۹۶)	برائی کو اس طریقے سے دفع کرو جو بہترین ہو۔
أَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ (القصص:۲۸/۷۷)	احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔

دوہرا اجر پانے والوں کے اوصاف میں یہ ارشاد ہوا:

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (القصص:۲۸/۵۴)	اس ثابت قدمی کے بدلے جو انھوں نے دکھائی، وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

احسان کے مفہوم میں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، کسی کام کو اچھی طرح پایۂ تکمیل تک پہنچانا بھی شامل ہے۔ یہ نیکی ہے کہ آدمی کے ذمہ جو فریضۂ واجبی ہو اسے انجام

دے۔لیکن یہ نیکی اس وقت احسان کے درجے کو پہنچے گی جب اپنی تمام قوت وصلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے اس کو بہتر سے بہتر طریقہ سے ادا کرنے کی جدوجہد کی گئی ہو۔نیکی میں صرف اطاعت یا حکم کی تعمیل مقصود ہوتی ہے جب کہ احسان میں محبت، دل کی وابستگی، قلبی لگاؤ بھی شامل رہتا ہے۔قرآن میں انفاق کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ احسان کی تاکید دی گئی ہے۔حقیقت یہ کہ قرآن اپنے ماننے والوں سے تمام احکامِ الٰہی کی پیروی کو خوش دلی اور محبت کے جذبات سے معمور ہوکر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ صرف زبانی حوالگی اور سپردگی کو ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس بات کو ضروری قرار دیتا ہے کہ اسلام کا ماننے والا اپنے عمل سے اس کا ثبوت دے۔ارشاد ربانی ہے:

مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ البقرة:۲/۱۱۲)

یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن مسلمانوں کو صرف جہاد اور اس راہ میں مال خرچ کرنے کا ہی مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس سلسلے میں احسان کا رویہ اختیار کرنے کی بھی ہدایت دیتا ہے۔تاکہ نیکی کرنے والے اور انفاق کرنے والے کا عمل احسان کے درجے کو پہنچ سکے۔

احسان کے مختلف پہلو

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں احسان کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔قران کریم نے والدین، قرابت داروں، پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، سفر کے ساتھیوں، یتیموں، محتاجوں، بیواؤں، خادموں و ماتحتوں سب کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔فرمانِ خداوندی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَمَى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء:۴/۳۶)

ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو،قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ،اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اوران لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے باب میں مزید ارشاد ہوا:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

(بنی اسرائیل: ۱۷/۲۳-۲۴)

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوکر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو۔

مصیبت کے وقت لوگوں کے کام آنے، ان کی مدد کرنے کے سلسلے میں حسنِ سلوک کا رویہ اختیار کرنے اور مستحقین کے حق کو بہتر طریقہ سے ادا کرنے کو بھی احسان سے تعبیر کیا گیا۔ مثلاً آیتِ دیت میں حکم دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاء إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

(البقرۃ: ۲/۱۷۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے۔ اور عورت اِس جرم کی مرتکب ہو تو اُس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اُس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کے لیے لازم ہے کہ وہ احسان کے ساتھ خون بہا ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔

اگر بیوی سے معاملہ نہ نبھ رہا ہو اور علیحدگی کی نوبت آجائے تب بھی قرآن احسان کا رویہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے: الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ

تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرۃ:۲/۲۲۹)[طلاق دو بار ہے پھر یا تو اچھے طریقہ سے عورت کو روک لیا جائے یا احسان (خوش اسلوبی) کے ساتھ اُس کو رخصت کر دیا جائے]۔

قرآن میں انفاق سبیل اللہ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ انفاق کے ضمن میں احسان سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے وہ خوش دلی و فیاضی کے ساتھ اور یہ کہ دل پسند مال خرچ کیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنفِقُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرۃ:۲/۱۹۵)	اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو، بے شک اللہ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے موقع پر خرچ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اگر مال خرچ نہ کیا جائے اور دین کے مقابلہ میں اپنی ذاتی ضروریات کو ترجیح دی جائے تو یہ موجبِ ہلاکت ہوگا۔ انسان جب بخل اور وھن (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں وہ بہت سی اخلاقی کمزوریوں میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس سے باز پرس و جواب طلبی ہوگی کہ اسے مال و دولت کی جس نعمت سے نوازا گیا تھا تو اس نے اس کو کیسے خرچ کیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر:۱۰۲/۸)	پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَاتَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اِكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ۔[۱]	قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں بندہ ہٹ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس سے یہ پوچھ نہ لیا جائے کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں فنا کی اور اپنے علم پر کیا عمل کیا اور مال کہاں سے کمایا اور اسے کہاں خرچ کیا۔

عہد نبوی ﷺ میں ہر مسلمان رضائے الٰہی کے لیے میدانِ کارزار میں اپنے آپ کو پیش کرتا اور اس کے لیے وسائل (سواری، اسلحہ، زادراہ) کا خود ہی بندوبست کرتا تھا، لیکن جو مسلمان اتنے محتاج وخستہ حال ہوتے تھے کہ وہ جنگ کے لیے وسائل مہیا نہیں کر پاتے تھے وہ اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ ان کے لیے سواری و اسلحہ کا انتظام فرمادیں۔ لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ ان کے لیے کوئی انتظام نہ فرماپاتے تو ایسے افراد جنگ میں جانے سے محروم ہوجاتے تھے۔ اگرچہ ان کے دل میدانِ کارزار ہی میں لگے رہتے اور جہاد میں شریک ہونے کی شدید خواہش رکھتے تھے، قرآن میں ایسے لوگوں کے لیے بھی محسنین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلاَ عَلَى الْمَرْضَى وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ مَا يُنفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُواْ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِن سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ. وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّواْ وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَناً أَلاَّ يَجِدُواْ مَا يُنفِقُوْنَ (التوبہ:۹/۹۱-۹۲)

ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکتِ جہاد کے لیے زادِ راہ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وفادار ہوں ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اللہ درگزر کرنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے جنھوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں، اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انھیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔

محسنین کے اوصاف

محسنین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، خواہ وہ مالدار ہوں یا غریب، صاحبِ ثروت ہوں یا تنگ حال۔ وہ معرکہ حق و باطل کے دوران اپنی ضروریات پر اللہ کے دین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ فِي السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران:۳/۱۳۴)	جو ہر حال میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں۔ اور دوسروں کے قصور معاف کردیتے ہیں۔ اللہ کو ایسے نیکوکار لوگ بہت پسند ہیں۔

اس آیت میں تین صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو صاحبِ ایمان ان صفات سے متصف ہوگا وہ محسنین میں شامل ہوگا اور اللہ کے یہاں اجرِ عظیم کا مستحق قرار پائے گا۔

قرآن نے جگہ جگہ دورانِ جنگ انفاق کا مطالبہ کیا ہے اور اس کے لیے مختلف پیرائے میں ترغیب دی ہے اور انفاق پر بے پناہ اجر، مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اس آیت سے قبل اہل ایمان کو خطاب کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے تو اس کے بدلے اللہ کی مغفرت کے مستحق ہوگے اور ایسی جنت کے حق دار ٹھہروگے جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ ہے۔ اس میں محسن بندوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔ غصہ آنا انسانی کمزوری کی علامت ہے اور اس سے خون میں جوش آجاتا ہے۔ اس سلسلے میں جو ہدایت دی گئی ہے وہ یہ کہ انسان اس حالت میں اپنے کو قابو میں رکھے، اس لیے کہ جب آدمی غضب سے بے قابو ہوجاتا ہے تو اکثر اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں جو ایک بندہ مومن کو زیب نہیں دیتی اور بعد میں وہ شرمندہ ہوتا ہے۔ غصہ انسانی شخصیت کو مجروح کردیتا ہے اور مومنانہ صفات کو متاثر کرتا

ہے، اسی لیے اللہ نے اپنے اچھے بندوں کی صفات میں ایک اہم وصف یہ بیان فرمایا ہے: وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (آل عمران:۳/۱۳۴)۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوریٰ:۴۲/۳۷) (اور اگر انھیں غصہ آجاتا ہے تو درگزر کر جاتے ہیں)۔ ایسے بندوں کو بھی محسنین کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے۔

غصہ پی جانے کی فضیلت اور اہمیت کے بارے میں یہ ارشادات نبوی ﷺ بہت اہم ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالىٰ۲۔	اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی بندے نے غصہ کے اس گھونٹ سے بہتر کوئی گھونٹ نہیں پیا جسے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پی جائے۔
لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۳۔	پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ اصلی طاقت ور وہ ہے جو غصہ کے موقع پر اپنے آپ کو قابو رکھے۔

محسنین کی تیسری صفت جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ ''عفو و درگزر کرنا'' ہے۔عفو و درگزر کرنا ایک بہت ہی اہم وصف ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے غَافِرٌ (بخشنے والا، گناہ معاف کرنے والا) الغفارُ (درگزر کرنے والا) العفوٌّ (معاف کرنے والا) الغفورُ (بہت معاف کرنے والا) بہت معروف ہیں۔ اللہ رب العزت چاہتا ہے کہ اس کی اس صفت کا پرتو یا عکس اس کے مومن بندوں میں بھی آجائے اور جو بندے اپنے آپ کو اس صفت سے متصف کر لیتے ہیں ان کو قرآن محسن کہتا ہے اور یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

کفار و مشرکین اور دشمنان اسلام دعوت حق کو قبول نہ کرتے ہوئے ایسی باتیں بناتے تھے جس سے دل کو تکلیف پہنچتی تھی یا ایسی حرکتیں کرتے تھے جو مومنین کے لیے باعثِ اذیت ہوتی تھیں۔ مزید یہ کہ رشتہ داروں و دوستوں کی طرف سے ناگوار باتیں سننے

کو ملتی ہیں جس سے دل مجروح ہو جاتا ہے۔ ایسے تمام مواقع پر انھیں معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (النور:۲۴/۲۲)	انھیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ غفور رحیم ہے۔
خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف:۷/۱۹۹)	(اے نبیؐ) نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کریں، معروف کی تلقین کرتے رہیں اور جاہلوں سے نہ الجھیں۔

غصہ کو پی جانا، غصہ کی حالت میں تحمل و برداشت سے کام لینا اور اس کا کوئی جواب نہ دینا تو پہلا مرحلہ ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ناگوار بات کا کوئی جواب نہیں دیتا مگر دل میں اس کے تئیں نفرت و کینہ رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے جو لوگ نہ صرف یہ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں وہ محسن ہیں اور محسنین کو اللہ پسند کرتا ہے۔ جس معاشرہ میں ان صفات کے حامل لوگ ہوتے ہیں، ان کے درمیان محبت و اخوت ہوتی ہے۔ یہ صفت معاشرتی زندگی کو خوش گوار بنانے والی ہے۔

دین کو غالب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے لیے جدو جہد کی جائے۔ جب اس نصب العین و مقصد کو سامنے رکھ کر جدو جہد کی جاتی ہے تو جن لوگوں کے عقائد و اعمال پر ضرب پڑتی ہے وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اگر یہ دعوت غالب ہوگی تو وہ دنیا کے بہت سے فوائد سے محروم ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کو کمزور یا ختم کرنے کا ہر حربہ اختیار کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں جو لوگ دین پر جمے رہتے ہیں اور دینِ حق کے غلبہ کے لیے ہر طرح کی اذیتیں برداشت کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ موقع آنے پر جان کی قربانی سے بھی گریز نہیں کرتے اللہ ایسے لوگوں کو بھی محسنین قرار دیتا ہے، ان کے اعمال پر پسندیدگی ظاہر کرتا ہے اور انھیں بہترین جزاء کی

خوش خبری سناتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَـآتٰهُـمُ اللّـٰـهُ ثَوَابَ الدُّنْيَـا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۴۸/۳)

آخر کار اللہ نے اُن کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی محسنین (نیک عمل والے لوگ) پسند ہیں۔

یہ آیت دراصل ان آیات کا حصہ ہے جن میں غزوۂ احد کے واقعات کے ضمن میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے صالحین و مخلصین کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں اور ان کے حسنِ کردار کو نمایاں کرکے پیش کیا گیا ہے اور یہ یقین دلایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی رضا اور اجرِ آخرت کی طلب میں جان و مال کی قربانی دیتے ہیں انھیں ان کا اجر ضرور عطا کیا جائے گا اور یہ کہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے درپیش دشواریوں و مشکلات پر صبر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں پسند فرماتا اور ان کو اجرِ عظیم سے نوازتا ہے۔

آل عمران کی مذکورہ بالا آیت سے قبل کی آیات میں جن اوصاف کے حامل اہل ایمان کا ذکر ہے ان کی روشنی میں محسنین کی جو خصوصیات واضح ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- وہ اہل ایمان جو زندگی و موت کی پرواہ کیے بغیر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

۲- جو اہل باطل کی کثرتِ تعداد اور جنگی ساز و سامان کی بہتات سے نہ گھبراتے ہیں اور نہ ہی ان سے سمجھوتا کرتے ہیں بلکہ ہر حال میں ثبات و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۳- دشمنانِ دین سے مقابلہ آرائی میں جو بھی تکالیف و دشواریاں آتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں، اللہ سے رجوع کرتے ہیں اور مغفرت چاہتے ہوئے نصرتِ الٰہی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ کہ دعوتِ دین کے کام میں بڑے صبر آزما حالات اور کٹھن مراحل آتے ہیں ان حالات میں جو اہل ایمان دشمنوں کی شرارتوں سے درگزر کرتے ہیں اور ان کی معاندانہ سرگرمیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے مقصد کے حصول کے لیے لگاتار

کام کرتے رہتے ہیں وہی افراد دعوت دین کی راہ کے بہترین شہسوار بننے کے اہل ہیں۔ قرآن اس صفت کو ''احسان'' کی روش قرار دیتا ہے اور اس سے متصف ہونے والوں کو محسنین کے لقب سے ذکر کرتا ہے اور یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اللہ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔ ان نکات کی مزید وضاحت سورہ مائدہ کی درج ذیل آیت سے ملتی ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَٰسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

(المائدہ: ۵/ ۱۳)

پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں، جو تعلیم انھیں دی گئی تھی اُس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں۔ اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے محفوظ ہیں۔ پس انھیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو محسن قرار دیا ہے جو مخالفین کے غلط رویہ پر انھیں معاف کر دیتے ہیں اور کسی بھی انتقامی کاروائی کے لیے برانگیختہ نہیں ہوتے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اس سے قبل کی آیت میں اہل اسلام پر یہ منکشف کیا گیا ہے کہ اسلام دشمن عناصر تم سے حسد و جلن میں تمہارے خلاف سازش کرتے رہتے ہیں تم کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، لیکن اللہ رب العزت ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیتا ہے اور تمھاری حفاظت فرماتا ہے، لہٰذا اہلِ اسلام کو اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے اور اسی پر توکل کرنا چاہیے۔

جب کوئی فرد جہالت سے علم اور جاہلیت سے اسلام کی طرف آتا ہے اور کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے سامنے ایک اہم مسئلہ یہ آتا ہے کہ دورِ

جہالت و ناواقفیت میں جو گناہ صادر ہوئے ان کا انجام کیا ہوگا۔ کیا اس پر گرفت ہوگی یا اس کے تئیں درگذر کا معاملہ کیا جائے گا؟ اسی کے ساتھ معاشرے کی طرف سے بھی یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اب تک تو اس نے طرح طرح کے جرائم کیے ہیں، سابقہ زندگی میں جو بداعمالیاں سرزد ہوئیں ان پر انگشت نمائی ہوتی ہے اور طنز و طعنے دیے جاتے ہیں۔ ایسے میں ایسا شخص گھبرا اٹھتا ہے اور مضطرب و پریشان ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ایسے افراد کو تسلی و ڈھارس دی گئی ہے اور انھیں رب کریم کی رحمت و شفقت کی امید دلائی گئی ہے کہ جن لوگوں کے کفر و شرک اور الحاد کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا ہے ان کی پچھلی کوتاہیوں پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ فرمان الٰہی ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدہ: ۹۳/۵)

جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے، انھوں نے جو کچھ کھایا پیا تھا اُس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ اُن چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں، پھر جس جس چیز سے روکا جائے اُس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اُسے مانیں، پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں ایک بات تو یہ بتائی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان لاکر صالح عمل کی روش اختیار کریں گے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کریں تو ان کی ماقبل اسلام غلطیوں و خطاؤں کے معاملے میں کوئی گرفت نہ ہوگی۔ اس سے قبل کی آیت میں اہلِ ایمان کو شراب، جوا، آستانے، استھان اور پانسے کے تیر کے سلسلے میں باخبر کیا گیا ہے کہ یہ گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو۔ جب یہ چیزیں حرام قرار دے دی گئیں تو یہ سوال ذہن میں ابھرا کہ اب تک جو حرام چیزیں کھائی ہیں ان کا کیا ہوگا۔ کیا ان پر مواخذہ ہوگا؟

اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ نہیں۔ اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب بندہ کفر وشرک چھوڑ کر توحید الٰہی کا اقرار کرلیتا ہے اور اس کے احکام کا پابند ہوجاتا ہے تو اس کی سابقہ نافرمانیوں کے ساتھ درگذر کا معاملہ ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَإِذَا جَاءَکَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنكُمْ سُوءاً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (الانعام:۶/۵۴)	جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو: تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے (یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے) کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کربیٹھا ہو، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔

اس ضمن میں دوسری آیت ملاحظہ ہو:

وَالَّذِينَ عَمِلُواْ السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُواْ مِن بَعْدِهَا وَآمَنُواْ إِنَّ رَبَّکَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (الاعراف:۷/۱۵۳)	جو لوگ برے عمل کریں پھر توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس توبہ و ایمان کے بعد تیرا رب درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

یہ آیت بھی اللہ کی رحمت ومغفرت کی امید دلاتی ہے اور مایوسی سے دور رکھتی ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر:۳۹/۵۳)	(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کردیتا ہے وہ غفور ورحیم ہے۔

زیر بحث مسئلہ کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ملتی ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ اُنَاسٌ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ؟ قَالَ: اَمَّا مَنْ اَحْسَنَ مِنْکُمْ فِی الْاِسْلَامِ فَلَا یُؤَاخَذُ بِھَا وَمَنْ اَسَآءَ اُخِذَ بِعَمَلِہٖ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَالْاِسْلَامِ[۴]۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے ان اعمال کی باز پرس ہوگی جو ہم نے جاہلیت میں کیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کسی نے اسلام میں اچھے کام کیے اس سے تو باز پرس نہ ہوگی لیکن جس نے برے کام کیے تو اس سے اس کے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کے اعمال کی باز پرس ہوگی۔

سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت ۹۳ میں تین بار ایمان کا ذکر ہے جس میں دو بار عمل صالح کے ساتھ ہے۔ گویا ایمان لانے کے بعد صالح عمل کرنا ضروری ہے۔ دوسرے عمل صالح کے ساتھ تقویٰ کا بھی ذکر ہے اور تقویٰ کے معنیٰ جیسا کہ بخوبی معروف ہے، اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں۔ تقویٰ ایک باطنی چیز ہے۔ ایک فرد ایمان کا اظہار کر رہا ہے، عمل صالح کر رہا ہے یا غلط کام سے بچ رہا ہے تو اس کے جذبات کیا ہوں اسے مزید واضح کیا گیا ہے کہ ان اعمال میں احسان کی روش مطلوب ہے۔ جو لوگ اپنے عقیدہ و اعمال اور محرمات سے بچنے میں احسان کی روش اختیار کریں گے ایسے لوگ محسن ہیں۔ تقویٰ اور احسان میں کیا تعلق ہے اس کی کچھ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

تقویٰ میں احسان سے کیا مطلوب ہے؟ اس سلسلے میں نبی ﷺ کے ارشادات سے رہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِہٖ حَذَرًا لِّمَا بِہٖ بَأْسٌ[۵]۔

کوئی بندہ اہل تقویٰ میں شامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ گناہ میں پڑنے کے خوف سے اس چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی گناہ نہیں۔

اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَّا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ[۶]۔

(دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو ان مشتبہ امور سے بچتا رہے اُس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو مشتبہ امور میں مبتلا ہو گیا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو کر رہے گا۔

زندگی میں ظاہری عبادت کی زیادتی مطلوب نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں پرہیزگاری و تقویٰ کا اختیار کیا جانا مطلوب و مقصود ہے۔ یہی چیز عبادت و عملِ صالح کی روح و مغز ہے۔

عَنْ جَابِرٍؓ ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِعِبَادَةٍ وَّاِجْتِهَادٍ وَذُكِرَ اٰخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَعْدِلُ بِالرِّعَةِ يَعْنِي الْوَرْعَ[۷]۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کی عبادت اور اس کی کوشش و مشقت کا ذکر کیا گیا اور (اس سلسلہ میں) اس کی پرہیزگاری کا بھی ذکر کیا گیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "اس (عبادت و مشقت) کو پرہیزگاری کے مساوی نہ ٹھہراؤ۔ رعۃ سے مراد ورع (پرہیزگاری) ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ[۸]۔ (آدمی تقویٰ کی اصلیت کو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ ہر چیز کو چھوڑ دے جس سے دل میں کھٹک پیدا ہو۔)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ[۹]۔

تم اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچو لوگوں میں سب سے بڑے عابد ہو جاؤ گے۔

سورہ المائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں تین بار تقویٰ کا ذکر ہوا ہے۔ پہلی بار تقویٰ کے ساتھ ایمان و عمل صالح کا ذکر ہے، دوسری بار ایمان کا ذکر ہے، تیسری بار احسان کا ذکر ہے۔ اصلاً یہ لفظ (تقویٰ) حدود الٰہی کی نگہداشت کے لیے آتا ہے۔ یہاں تین بار اس کا حوالہ احکام کے تدریجی مراتب کے لحاظ سے ہوا۔ رہا تقویٰ کے ساتھ ایمان و عمل صالح کا حوالہ تو وہ اس حقیقت کو ظاہر کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر صرف کسی چیز سے بچنا نہیں بلکہ وہ بچنا معتبر ہے جو ایمان و عمل صالح کے ساتھ ہو۔ آخر میں تقویٰ کے ساتھ احسان کی جو شرط ہے وہ اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ دین میں جو تقویٰ مطلوب و مقبول ہے وہ صرف ظاہر داری اور رسوم کی خانہ پری سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے آخری شرط احسان ہے۔ احسان کا مدعا یہ ہے کہ آدمی اللہ کے حدود کی خلاف ورزی سے اس طرح بچے جس طرح اس سے بچنے کا حق ہے۔ وہ ہر حکم کی تعمیل اس طرح کرے گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اس یقین سے اپنے باطن کو منور رکھے کہ اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا ہے تو اللہ تو بہر حال اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہی احسان تقویٰ کی اصل روح اور حدودِ الٰہی کا اصل پاسبان ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان تقویٰ اور پرہیزگاری کی نمائش کرتے ہوئے حدودِ الٰہی کو توڑنے کے لیے ہزار چور دروازے پیدا کرسکتا ہے۔ ایسے دین باز مدعیان تقویٰ کی خدا کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو احسان کی صفت سے متصف ہوں۔ **واللہ یحب المحسنین** میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے[10]۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے دین کی مخلصانہ پیروی کرے۔ اللہ کی بندگی میں کسی غیر کی بندگی کی ذرا آمیزش نہ ہو۔ انسان اپنی عبادت کو، اپنی زندگی کے تمام معاملات کو خالص اللہ کے لیے کردے۔ اس کے بغیر نہ تو ایمان قابل قبول ہے اور نہ ہی کوئی عبادت و نیک عمل۔ اللہ کے نزدیک جو چیز معتبر ہے وہ آدمی کا قلبی اقرار، اس کے دل کا جھکاؤ و یکسوئی، اس کا برضا و رغبت دنیا کی ساری چیزوں سے دست بردار ہوکر اپنے کو بالکلیہ اللہ کے حوالے کردینا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ. أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر:۳۹/۲)

تو تم اللہ ہی کی بندگی کرو، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ۔ یاد رکھو اطاعتِ خالص کا سزاوار اللہ ہی ہے۔

لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (الحج:۲۲/۳۷)

نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہونچتے ہیں نہ خون مگر اُسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اسلام دراصل مکمل سپردگی و اطاعت کا نام ہے۔ چاہے اللہ کے احکام پر عمل آوری کا معاملہ ہو یا محرمات سے بچنے کا، اس میں تقویٰ مطلوب ہے اور تقویٰ میں بھی احسان مقصود ہے۔ ایمان اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ، عمل صالح کی ادائیگی اپنے ظاہری و باطنی حسن کے ساتھ ہو اور تقویٰ یعنی محرمات سے بچنے میں رضائے الٰہی کارفرما ہو۔ تو یہ اعمال احسان کے درجے میں پہنچ جاتے ہیں اور جو لوگ اس طرح عمل کرتے ہیں وہی اللہ کی بارگاہ میں محسن قرار پاتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

احسان کی روش اختیار کرنے کے فیوض و برکات:

محسنین کی کارکردگی ضائع نہیں ہوتی

جو مومنین اپنے عقائد و اعمال میں احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو اللہ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرتا ہے بلکہ بہتر اجر سے نوازے گا۔ اعمال میں احسان کا رویہ ان کے اعمال کو مقبولیت کے درجے تک پہنچانے کا موجب بنے گا۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (التوبۃ:۹/۱۲۰) [یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا ہے]۔

کتابِ ہدایت سے محسنین کو ہدایت ملتی ہے

زندگی میں احسان کا رویہ اختیار کرنے سے ہدایت کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم سے ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان احسان کا رویہ اختیار کرے۔ تِلْكَ آيٰتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ. هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ (لقمان:۳۱/۲-۳) [یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں ہدایت اور رحمت محسنین (نیکوکار لوگوں) کے لیے]۔

محسنین پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے

جولوگ اپنے کاموں میں احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں، اپنے ذمہ واجب الادا امور کو بہتر طور پر ادا کرتے ہیں، اللہ کے حقوق کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں فیاضانہ رویہ اختیار کرتے ہیں ایسے نیکوکاروں اور محسنین کو اللہ کی رحمت اپنے سایہ میں لے لیتی ہے۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف:۵۶/۷)

یقیناً اللہ کی رحمت محسنین (نیک کردار لوگوں) سے قریب ہے۔

محسنین کے لیے کامیابی کی بشارت ہے

جولوگ اپنی زندگی میں مختلف سرگرمیاں انجام دیتے وقت احسان کا رویہ اختیار کریں گے، وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے کامیابی کی بشارت دی ہے۔ بشر المحسنين (البقرۃ:۱۹۵/۲)[(اے نبیؐ) بشارت دے دیجیے محسنین یا احسان کا رویہ اختیار کرنے والوں کو]۔

نیک اعمال میں حصہ نہ لینے سے محسنین پر گرفت نہیں ہوتی

جو مسلمان اپنی زندگی میں ایمان وعمل صالح میں احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں، مخلصانہ طور پر اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں وفادارانہ زندگی گزارتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر دنیوی زندگی میں اسباب کی کمی کی وجہ سے بڑے نیک اعمال سے محروم رہ جائیں تو اس پر ان کی گرفت نہیں ہوگی۔ مثلاً اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے سرمائے کی ضرورت ہے اور غربت کی وجہ سے محسنین اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں پاتا ہے۔ یا اعلانِ جہاد ہونے پر اسباب (سواری وہتھیار وغیرہ) نہ ہونے کی وجہ سے جہاد جیسے بڑے عمل میں حصہ نہ لے سکنے پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلاَ عَلَى الْمَرْضَى وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ مَا يُنفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبۃ: ۹/۹۱-۹۲)	ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکتِ جہاد کے لیے زادِ راہ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم کی رو سے ''احسان'' کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یہ لفظ اور اس کے مشتقات مختلف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ کسی کام کو اچھے طریقہ سے کرنا، نہایت خوش اسلوبی سے اسے انجام دینا، نیکی کی راہ اختیار کرنا، کسی کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا، کسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا، عفو و درگذر سے کام لینا سب کچھ احسان کے مفہوم میں شامل ہے۔ مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ احسان کی صفت سے مزیّن لوگوں کا مقام ومرتبہ اللہ کی نگاہ میں بہت بلند ہے اور احسان کی روش اختیار کرنے والے مختلف قسم کے فیوض و برکات سے مشرف کیے جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت ان سے قریب ہوتی ہے، ان کے لیے ہدایت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، انہیں اللہ رب العزت کی تائید ونصرت نصیب ہوتی ہے، ان کے اعمال ضائع نہیں جاتے اور سب سے اہم بات یہ کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حقیقت یہ کہ اللہ جسے پسند فرمائے یا جو اس کی نگاہ میں محبوب ہو اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوسکتا ہے اور اس کے بامراد و کامیاب ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ایسے ہی نیک بخت لوگوں میں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حواشی ومراجع

۱؎ جامع ترمذی، ابواب صفة القیٰمة، باب ما جاء فی شأن الحساب و القصاص

۲ مسند احمد ابن حنبل، بیت الافکار الدولیہ، الاردن، بدون تاریخ، ص۴۴۲

۳ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب؛ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب من کظم غیظاً

۴ صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدّین والمعاندین و قتالهم، باب اثم من اشرك بالله و عقوبته فی الدنیا والآخرة؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب هل یواخذ باعمال الجاهلیة؟

۵ سنن ابن ماجه، ابواب الزهد، باب الورع والتقویٰ

۶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه

۷ جامع ترمذی، ابواب صفة القیامة، باب حدیث "اعقلها و توکل"

۸ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ "بنی الاسلام علیٰ خمس"

۹ جامع ترمذی، ابواب الزهد، باب من اتّقیٰ المحارم فهو اعبد الناس

۱۰ امین احسن اصلاحی، تدبرِ قرآن، مرکزی مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء، ۲/۳۶۵-۳۶۶